جناب اشرف صبوحی

نجف کے موتی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشادات گرامی

قلب الاحمق وراء لسانہ

احمق کا قلب اس کی زبان کے تابع ہوتا ہے۔

یہ مقولہ بتاتا ہے کہ احمق کی ہر بات بے سوچے سمجھے ہوتی ہے۔ اس کے دل میں کچھ نہیں ہوتا اور زبان پر سب کچھ ہوتا ہے۔ اس کی زبان بے روک چلتی ہے۔ بے اندیشہ ہر بات منہ سے نکال دیتا ہے۔ نتیجے پر غور نہیں کرتا ہے، اور بات کہنے سے پہلے اپنے دل سے مشورہ نہیں کرتا ہے۔ اس کو یقین ہوتا ہے کہ زبان دل ہی کے اشاروں پر چلا کرتا ہے۔ لیکن درحقیقت اس کا دل زبان کی تیزی سے دب جاتا ہے۔

لسان العاقل وراء قلبہ۔

عقلمندوں کی زبان ان کے قلب کے تابع ہوتی ہے۔

عقلمند جو بات کرتا ہے، اپنی زبان ہلانے سے پہلے وہ اس کے اثرات پر غور و خوض کر لیتا ہے۔ جو کچھ منہ سے نکالتا ہے، اس کے آغاز و انجام پر دور تک نگاہ ڈال لیتا ہے، تاکہ اس کی اچھائیاں اور برائیاں اوّل سے آخر تک نظر آ جائیں۔ وہ فقرے فقرے کو جانچتا ہے۔ لفظ لفظ کو تولتا ہے، پھر کوئی بات کہتا ہے۔ کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ زبان ہی پر بات کے بگاڑ سنوار کا انحصار ہے۔ یہی خیالات کو ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر کر سکتی ہے اور ہماری صورت نمائیوں کا آئینہ اسی کے ہاتھ میں ہے، گویا عقلمند اپنی زبان کو اپنے دل کے قبضے میں رکھتے ہیں۔

البخیل مستعجل الفقر یعیش فی الدنیا عیش الفقراء و یحاسب فی الآخرۃ حساب الاغنیاء۔

بخیل فقیر ہو جانے کی جلدی کرتا ہے۔ وہ دنیا میں فقیروں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ مگر آخرت میں دولتمندوں کی مانند اس سے حساب لیا جائے گا۔

واجب حقوق ادا نہ کرنے کا نام بخل ہے۔ یعنی جو شخص اپنے مال کو ضروریاتِ مذہبی سے روکتا ہے، اور ضروریاتِ مروّت سے ہاتھ کھینچتا ہے، وہ بخیل کہلاتا ہے۔

بخیل کی ادنیٰ صفت بے مروتی ہے۔ یہ نہ اپنے ساتھ مروت برتتا ہے اور نہ دوسروں کے ساتھ کوئی سلوک کرتا ہے۔ اس کے دل میں دولت کی محبت ایسی بے طرح پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اس کے مقابل میں جان، آبرو اور ایمان تک کو ہیچ سمجھتا ہے۔ روپے پیسے کی دوستی میں دنیا بھر کو دشمن بنا لیتا ہے، اور اس خیال سے کہ کہیں حقدار میرے مال کے مدعی نہ بن جائیں، اپنے آپ کو صدا مفلس، محتاج ظاہر کرتا رہتا ہے، اور چونکہ دنیا میں زر، زن، زمین —— یہی تینوں چیزیں خصومت، دشمنی، رقابت کے بیج ہیں —— اس لیے بخیل کے مال پر ہر شخص کی نظریں پڑتی ہیں، اور انجام یہ ہوتا ہے کہ اس کی دولت میں سوراخ پڑ کر کسی طرح خالصے لگ جاتی ہے۔

فقیر وہی شخص کہلاتا ہے جو محتاج ہو۔ مالِ دنیا میں سے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور جو اپنی تن پوشی اور تن پروری سے بھی عاجز ہو۔ لیکن یہ فقیر تو اس لیے فقیر کہلاتا ہے کہ اس کے پاس دولت و مال کی قسم میں سے اللہ کا نام ہوتا ہے۔ مگر بخیل باوجود ہر طرح کی استطاعت رکھنے کے فقیر ہوتا ہے۔ وہ اچھا پہن سکتا ہے لیکن پہنتا نہیں۔ وہ اچھا کھا سکتا ہے لیکن کھاتا نہیں۔ گویا کوشش کرتا ہے کہ محتاج ہو جائے اور ساعی رہتا ہے کہ جس قدر زیادہ ہو سکے فقیروں کی سی زندگی بسر کرے۔ مگر چونکہ خدا نے اس کو دولت مند بنایا ہے، اس لیے آخرت میں بھی دولت مندوں ہی کے زمرے میں اس کا شمار ہوگا اور دولت مندوں ہی کی طرح سے اس سے بھی حساب لیا جائے گا —— کیونکہ دولت مندوں کو دولت صرف کرنے (زمین دفن کرکے رکھنے) کے واسطے نہیں دی جاتی ہے، ان کو دولت کا سانپ بننے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ ــــ ت کے راستے بتا دیے گئے ہیں، اور دولت سے دنیوی زندگی بسر کرنے کا طریقہ اور عاقبت کے بیوپار کا ڈھنگ بھی سکھا دیا ہے۔ اب یہ اس بخیل کا قصور ہے، جو خدا کے اس عطیے کو کام میں نہ لائے۔ اور بخل کی بیماری میں فقیر بننے کی کوشش کرتا ہوا اور فقیرانہ زندگی بسر کرتا ہوا آخرت میں امیروں کی طرح اپنی دولت کا حساب بنانے کو اچھا سمجھے۔

○ دولت "آبِ رواں" ہے اور دنیا ایک "کشتِ زار" اور خلائق بمنزلہ قطعاتِ اراضی جس طرح پانی سے زمینیں سرسبز ہوتی ہیں، اسی طرح اضافتِ خلائق کے ساز و برگ اور نشو و نما کا سبب دولت ہے۔

اسی طرح سبزۂ حیات لہلہاتا ہے اور اسی پر شگوفہ ہائے معیشت کا دار و مدار ہے۔ اسی سے احتیاج کی پیاس بجھتی ہے اور یہی تمدن کے پھولوں میں رنگ و بو پیدا کرتی ہے لیکن پست و بلند زمینوں کی مانند طبائع خلائق بھی فطرتاً بلند و پست ہوتی ہیں۔ جس طرح بلند زمینیں بقدر ضرورت سیراب ہو کر زائد پانی کو پست زمین کی طرف بھیج دیتی ہیں۔ اسی طرح بلند قدر اور عالی ہمت طبائع دولت دنیا بر حاجت کے موافق اکتفا کرتے ہیں اور باقی سب زیر دستوں پر خرچ کر دیتے ہیں۔ جس طرح نشیبی زمینیں پانی کو جمع کر کے پھر کبھی نکلنے نہیں دیتی ہیں، اسی طرح دنی الطبع آدمی دولت کو سمیٹ کر بیٹھ جاتا ہے۔

بخل کا مرض ہے، اس کا علاج کرنا چاہیے۔ اس سے بچنے کی خدا سے دعا مانگنی چاہیے اور جو کچھ خدا تعالیٰ نے دیا ہے اس کے شکرانے میں دوسروں کو فائدہ پہنچانا چاہیے۔ بڑا علاج اس کا موت کو یاد کرنا ہے۔ اپنے ہمسروں کا خیال کرے کہ مال کے جمع کرنے میں کیسی کیسی مشکلوں کا سامنا کیا، اور کیسے کیسے دکھ سہے مگر آخر کو خالی ہاتھ گئے۔ جو کچھ مدتوں میں حاصل ہوا تھا، آناً فاناً تباہ ہو گیا۔

اللّٰھم اغفر رمزات النواظر وسقطات الالفاظ وشھوات الجنان وھفوات اللسان۔

یا اللہ! تو ہماری آنکھ اور گفتار اور خواہش نفس اور زبان کی تقصیرات کو معاف فرما۔

حقوق اللہ کیا، حقوق العباد کیا، جہاں کہیں رخنے پڑتے ہیں، آنکھ، زبان اور خواہشاتِ نفس ہی کی بدولت پڑتے ہیں۔ گویا دینی اور دنیاوی قسم کے گناہوں کا سبب یہی ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو واقعی آنکھ، زبان اور خواہشاتِ نفس ہی کی رہزنی ہم کو خدا اور بندگانِ خدا کا چور بناتی ہے۔ اگر ہم ان کو اپنے قبضے میں رکھیں اور ان پر جہاد کرتے رہیں تو گناہ ہمارا دامن تک نہ چھو سکیں۔ اسی لیے ارشاد ہے کہ تم ہمیشہ آنکھ، زبان اور نفس کے شر سے پناہ مانگتے رہو اور سدا آنکھ، گفتار اور خواہشِ نفس اور زبان ہی کی تقصیرات سے ڈرو، کیونکہ یہی تمام گناہوں کا باعث ہیں۔

یا الٰہی! ہماری آنکھ نے تیرے حکم کے خلاف جو کچھ دیکھا ہے، اس پر پردہ ڈال دے۔

ہمارے اقوال میں جو تجھ سے سرتابی پائی گئی ہے، اس سے درگزر فرما، ہمارے نفس نے تیرے کرم کے بھروسے پہ جو شرارت کی ہے اس سے چشم پوشی کر اور ہماری زبان نے تیری جناب میں جو گستاخیاں کی ہیں، تو اُن کو عفو کی مسکراہٹ کے ساتھ نظر انداز کر دے۔ آمین :

ما اضمر احد شیا الا ظهر منه فی فلتات لسانه وصفحات وجهه۔

انسان کا ما فی الضمیر کبھی نہ کبھی اس کے چہرے اور زبان سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

ہزاروں ارادے، ہزاروں خواہشیں اور ہزاروں باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ہم ان کو کبھی تو افشائے راز کے خوف سے، کبھی حجاب کے مارے اور کبھی عداوت کے ڈر سے ظاہر نہیں کرتے ہیں۔ مثلاً کسی کی شکایت دل میں لیے تو بیٹھے ہیں، مگر منہ سے اس لیے نہیں نکالتے کہ کہیں اس کا بُرا اثر نہ پڑ جائے۔ ملازمت کی خواہش تو ہے لیکن زبان سے کہنا مناسب نہیں سمجھتے ہیں، اس واسطے کہ لوگ ہم کو اہلِ غرض میں شمار کرنے لگیں گے کسی کی تعریف کرنا تو چاہتے ہیں، مگر یوں نہیں کرتے ہیں کہ کوئی خوشامدی نہ کہنے لگیں وغیرہ وغیرہ ۔۔۔ یعنی ہزاروں خیالات ہمارے ذہن میں جمع رہتے ہیں اور ہم کسی نہ کسی وجہ سے ان کے اظہار کرنے کی جرأت نہیں کرتے ہیں لیکن ہماری یہ روک تھام آخر کار ناکافی ہوتی ہے۔ خیالات اور ارادے میں بازی لے جاتے ہیں اور کبھی نہ کبھی ظاہر ہو کر ہی رہتے ہیں، خواہ کسی صورت میں کیوں نہ ہوں۔

جس طرح زبان انسان کی ما فی الضمیر کو بیان کرنے کا آلہ ہے، اسی طرح بشرہ بھی دل کو بہت سی باتیں بتانے میں نہایت درجہ مشتاق ہے۔ چہرے کی کتاب کے پڑھنے والوں پہ زبان کی نسبت زیادہ دل کے راز کھل جاتے ہیں، غرضکہ جو آدمی کے دل میں ہوتا ہے، وہ ایک نہ ایک وقت ضرور زبان سے یا چہرے سے معلوم ہو جاتا ہے، کیونکہ ادھر تو خیالات اور ارادے عملی صورت اختیار کرنا چاہتے ہیں، اور ادھر دل ہلکا ہونا چاہتا ہے اور دل کے ہلکا ہونے کی یہی شکلیں ہیں۔ اس لیے یہی دونوں ترجمان "چہرہ اور زبان" ما فی الضمیر کا انکشاف کرتے ہیں۔ کہیں کسی جگہ اور موقعہ پر چہرہ تقدیم کرتا ہے اور کہیں زبان، بہرحال دل کی کوٹھڑی میں جو کچھ ڈھکا چھپا ہوتا ہے، منکشف ہو ہی جاتا ہے۔